جھوٹے بندھن

پندرہ برس پہلے وہ میرے پڑوس میں رہا کرتی تھی۔ اور پھر وہ لوگ کسی دوسرے شہر منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد تو غمِ روزگار نے فرصت ہی نہ دی کہ کبھی کوئی تقریب بہرِ ملاقات ہونے پاتی۔ اور یوں آج پندرہ سال بعد کسی سوشل ورکر نے بملا کا فون نمبر دے کر مجھے بملا سے ملاقات کے لئے دائمی مریضوں کے ہوم جانے کو کہا تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میرا ذہن الجھ گیا کہ بملا اور لاوارثوں کے ہوم میں؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ بہر حال اگلے دن وقت نکال کر بملا سے ملنے چل پڑی۔

چونکہ میری ملاقات پندرہ سال بعد ہو رہی تھی اور ان پندرہ سالوں میں بملا تو کتنی بڑی بڑی آزمائشوں سے گزر چکی تھی۔ اور اب بالکل اچانک اس کا پیغام ملنے پر اس کے بتائے گئے پتہ پر جا پہنچی تھی۔ مگر۔۔۔ یہ۔۔ کیا؟

یہ وہ والی بملا تو نہ تھی جسے میں جانتی تھی۔ وہ تو شوخ اور چنچل سجی سنوری بملا جو بہاروں کی پیامبر ہوا کرتی تھی مگر یہ وہیل چیئر پر اپنے ادھورے وجود کو سمیٹے پڑی ہوئی ادھیڑ عمر عورت جس کے بال کسی حد تک سفید ہو چکے تھے غزالی آنکھیں چندھیا چکی ہیں اس کا رنگ سنولایا ہوا ہے اس کا حسن گہنایا ہوا ہے اور گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر پپڑیاں جم چکی ہیں اس کے وجود پر پوری طرح خزاں کا ڈیرہ۔

یہ سب دیکھ کر میں متذبذب ہو کر سوچنے لگی۔ آیا کہ میں ٹھیک جگہ پر پہنچی ہوں؟ میں نے خود سے سوال کیا۔ یا شائد پھر میں کسی غلط کمرے میں آ گئی ہوں۔ میں خود سے ہمکلام تھی۔ پھر میں ہولے سے مڑی تاکہ واپس جا کر انکوائری آفس سے تصدیق کر سکوں۔ کہ بملا کا کمرہ نمبر یہ ہی ہے؟ یا کوئی اور جگہ ہو گی۔ مگر جب کسی نے دیدی کہہ کر پکارا تو یقین کرنا پڑا کہ یہ دھیمی سی آواز میں میٹھی سی پکار بملا کے علاوہ کسی اور کی ہو نہیں سکتی۔ تب میں پلٹ آئی۔ مگر واقعی میرے دل و دماغ میری آنکھیں اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں تھے کہ واقعی سچ مچ یہ بملا ہی ہے

اسی لئے میں دروازے میں ہی کھڑی آنکھیں پھاڑے چپ چاپ اسے
دیکھے جا رہی تھی۔ آخر اس نے ہی مجھے پھر سے پکارا۔ آؤ نا
دیدی! اندر نہیں آؤ گی کیا؟ مجھ سے بات نہیں کرو گی؟ میرے پاس آؤ۔
اور میں ہولے ہولے چل کر بوجھل دل سے ایک کرسی کھینچ کر اس کے پاس
بیٹھ گئی۔ میرے ذہن میں سینکڑوں سوال کلبلا رہے تھے۔ مگر بات
شروع کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہی تھی۔ آخرکار بڑا حوصلہ
کر کے میں نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھ ہی لیا۔ نملا کیا میں
کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہوں؟ بولو نملا بولو بتاؤ نملا
کہدو کہ یہ حقیقت نہیں ہے؟ اور میری آواز رندھ گئی اور
میں بات پوری نہ کر سکی۔ تب نملا نے خود ہی بتانا شروع
کر دیا۔ نہیں دیدی یہ کوئی سپنا نہیں ہے۔ یہ تو ایک اٹل اور
تلخ حقیقت ہے ایک ایسی سچائی جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔
لیکن یہ سب ہوا کیسے؟ نملا تم اس حال میں؟ اور وہ بھی اس
لاوارثوں کے ہوم میں؟ کیوں نملا آخر کیوں؟ مجھے بتاؤ نملا؟
میں نے کرب سے دل کو تھام کر نملا سے پوچھا تو وہ بولی۔
دیدی بس یوں سمجھ لو کہ میں اپنے کرموں کا لکھا بھوگ رہی
ہوں یا پھر پچھلے جنم میں ضرور میں نے کوئی بڑا پاپ کیا ہوگا
جس کی سزا تو مجھے ملنی ہی تھی۔ اور آنسو ٹپ ٹپ اس کی اداس
آنکھوں سے گرنے لگے اس کی ہچکیاں میرا دل دہلا رہی تھیں۔
میں جو مجسم سوال بنی بیٹھی نملا کے کملائے ہوئے سوگوار چہرے کو
دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے اپنا دل اندر ہی اندر ڈوبتا ہوا سا
محسوس ہو رہا تھا اور میں سراپا سوال بن چکی تھی۔ اس لئے پوچھا
مگر نملا مجھے کچھ بتاؤ بھی تو کہ آخر یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا؟
میں نے بیقرار ہو کر پوچھا تو وہ بولی ہاں دیدی اب تمہارے
بنا میرا اپنا ہے بھی کون؟ پھر تمہیں کیوں نہ بتاؤں گی۔ اور پھر
بیچاری نملا نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے مجھے بتایا کہ پشپا ایک
جہاندیدہ اور ہوشیار عورت تھی جبھی تو اس نے خطرے کی بو
قبل از وقت سونگھ کر مجھے توجہ دلانا چاہی تھی۔ تاکہ میں سنبھل سکوں۔
مگر اس وقت مجھے اس کی ہر ہر بات زہر لگتی تھی۔ اگر اس وقت

میں کرموں جلی عقل سمجھ سے کام لیتی تو شائد آج اس حالت کو نہ
پہنچتی مگر میں نے بڑی دیر بعد جانا کہ گھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مگر
تب تک بہت دیر ہو چکی تھی میرا سب کچھ چھن چکا تھا میں پوری
طرح لٹ چکی تھی اور لٹیرے بھی کوئی غیر نہ تھے۔ میری اپنی ہی ماں
جائی ڈائن بن گئی تھی۔ میری بہن سانپ بنکر مجھے ڈستی رہی
یہاں تک کہ میرے سارے وجود کو زہریلا کر کے رکھ دیا گیا۔
ہوا یوں کہ جب میں ہوسٹل سے گھر لوٹی تو جیسا سب جانتے ہیں کہ
میری گود اجڑ چکی تھی اور میں چاہتے ہوئے بھی اپنے بچے کے غم کو
بھلا نہیں پا رہی تھی ایسے ہی حالات میں پورا ایک مہینہ گزر
چکا تھا میں رات دن اپنے بچے کے تصور میں کھوئی رہتی اپنے آپ سے بے خبر۔
ایک دن میری بہن اور راجو گھر سے جا چکے تھے اس دن میرا دل روزانہ سے
بھی زیادہ اداس ہو رہا تھا وقت گزاری کے لئے راجو کی الماری سے ٹیکس
اور کاروباری حساب کتاب کی فائلیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی
تاکہ کسی طرح وقت کاٹ سکوں۔ تب اچانک ایک محبت نامہ میرے
ہاتھ لگا جسے پڑھتے ہی میں پتھرا کر رہ گئی کیونکہ وہ محبت نامہ
میری بہن کا تھا جو کہ اس نے راجو کو لکھا ہوا تھا
اس خط کو پڑھکر اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پہلا اور آخری محبت نامہ
نہیں ہے، بلکہ ایسے خطوط دونوں طرف سے ہی ایک دوسرے کو لکھے
جاتے ہیں وہ خط پڑھ کر کتنی ہی دیر میں سوچ بوجھ کھوئے
بیٹھی رہی اپنے نصیبوں پر روتی رہی جہاں سکھ نام کی کوئی چیز نہیں
تھی آخر میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کاغذات اور یہ محبت نامے جوں کے توں
پڑے رہنے دوں۔ کیونکہ راجو ابھی تک تو چوری چھپے یہ گھناؤنا
کھیل کھیل رہا ہے اب اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں اس کے بھید سے
واقف ہو چکی ہوں تو وہ کہیں بالکل ہی نڈر نہ ہو جائے۔
یہ ہی سوچتے سوچتے تمام کاغذات کو ٹھکانے رکھکر اور گھر
کو تالا لگا کر اپنے میکے گھر کو چل پڑی تاکہ ماتا جی کو تمام
حالات سے آگاہ کر کے ان سے مشورہ کر سکوں۔ جب ماتا کو بتایا تو۔
مگر میری بدقسمتی ماتا جی کو اس بات کا یقین ہی نہیں آیا اور
انہوں نے الٹا مجھکو ہی ڈانٹ ڈپٹ کرنا شروع کر دیا ان کا
کہنا تھا کہ تمہیں شرم آنی چاہیئے کہ تم اپنی چھوٹی بہن پر ایسا

الزام لگا رہی ہو جب کہ تمہاری بہن بھی ایسی ہے کہ تم پر جان دیتی
ہے اپنی جاں نثار بہن پر بہتان لگا رہی ہو کیونکہ تمہارے
بچے کے صدمے نے تمہیں پاگل کر دیا ہے تمہاری سوچنے سمجھنے کی
صلاحیت ختم کر دی ہے جب ہی تو تم ہر بات کو منفی انداز
میں دیکھتی ہو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تم ذہنی مریض
بن گئی ہو وغیرہ وغیرہ میں تو پہلے ہی پریشان اور افسردہ تھی
میں اپنی ماتاجی کا اشتعال بھرا لیکچر سن کر چپ چاپ اپنے گھر
کو لوٹ آئی یہ ہی سوچتے ہوئے کہ بہت ممکن ہے میں نے ہی ہر
بات کو جذباتی انداز میں سمجھا اور جانا ہو اور اس خط کا وہ
مفہوم نہ ہو جو کہ میں نے سوچا سمجھا ہو۔ بھگوان کرے کہ یہ سچ ہو۔
پھر بھی چونکہ میرے دل میں خوشبہ پیدا ہو چکا تھا اسی لئے تو میں
نے ضد کر کے وہاں پر ہی رہائش کا انتظام کروا لیا تھا جہاں پر
دوکان تھی تاکہ میں راجو کے پاس رہوں اور میری بہن ساتھ نہ ہو اور جب
قریب ہی فلیٹ میں آٹھویں بلاک پر رہائش ملی تھی، تو بھی
خوشی قبول کر لی کیونکہ راجو اکثر اوقات میری بہن کو اپنے
ساتھ دوکان میں ہاتھ بٹانے کے لئے ساتھ رکھتا تھا اس لئے میں نے
سوچا رہائش نزدیک ہو گی تو میں خود ہی کاروباری
مصروفیات میں راجو کا ہاتھ بٹا دیا کروں گی۔ اس طرح بغیر کسی
بدمزگی کے خطرہ بھی ٹل جائے گا۔ اسی لئے تو میں جلدی میں منتقل
ہو گئی تھی۔ اور پھر جلد ہی کاروباری امور جان گئی اب میں نے ہر
روز راجو کے ساتھ دوکان پر جانا شروع کر دیا تھا تاکہ اس کے ساتھ رہوں
گھر کا کچھ کام صبح نمٹا لیتی کچھ کام گھر لوٹ کر دیکھ سنبھال لیا کرتی

چند دن تو بظاہر ٹھیک گزرے۔ اور پھر راجو مجھے اکیلے چھوڑ کر
غائب ہو جاتا بھگوان جانے گھنٹوں کہاں وقت گزار کر آتا تھا
ہر وقت بہانہ سازی کہ مجھے ویئر ہاؤس جانا تھا مینیجر سے ملنا تھا
نیا مال دیکھ کر آرڈر کرنا تھا۔ ایک چیک واپس لوٹا دیا گیا تھا تو
میں نے اس کا قضیہ ختم کرنا تھا یعنی جتنے گھنٹے غائب رہتا اتنے
ہی بہانے گھڑ کر سنا دیتا تھا۔ ہر وقت جھوٹ پر جھوٹ گھڑ کر سناتا رہتا
اگر کبھی میں شکوہ کرتی کہ راجو تم بہت دیر باہر رہتے ہو۔ تو وہ مجھ
سے جھگڑنے لگتا اس کا کہنا ہوتا کہ تم تو ایسی عورت ہو جو ہر وقت

اور خواہ مخواہ ہی تنگ کرنے کے لئے نت نئی سکیم بناتی رہتی ہو ارے تمہاری سوچ کتنی گھٹیا ہے تم نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ میں خواہ جو بھی کر لوں تمہیں مطمئن نہیں کر سکتا۔ تم کو تو میری جان لے کر ہی چین آئے گا۔ تم نے میری زندگی کو نرگ بنا کر رکھ دیا ہے وغیرہ وغیرہ تو دیدی آخر مجھے ہی ہار ماننی پڑتی تاکہ گھر میں جھگڑا ختم ہو جائے یوں ہی قید با مشقت اور قید تنہائی کاٹتے ہوئے پورا ایک سال بیت گیا میری زندگی میں خوشی نام کو بھی نہ تھی کوئی دکھ بانٹنے یا دلاسہ دینے والا نہ تھا۔ کوئی میری داد رسی کرنے والا نہیں تھا۔ کیا کرتی؟ اور پھر ایک دن مجھے پتہ چلا کہ راجو میری بہن کو لے کر کسی دوسرے ملک کو چلا گیا ہے۔ یہ صدمہ میرے لئے معمولی نہ تھا میں جیسے نیم پاگل ہو کر رہ گئی راجو تو جاتے جاتے کاروبار اور مکان بمعہ ساز و سامان کے فروخت کر کے مجھے بے بسی کی حالت میں چھوڑ کر سارا روپیہ پیسہ بھی لے گیا تھا۔ ان حالات میں ماتا جی نے مجھے سہارا دیا مجھے اپنے گھر میں رکھا مگر ایسے حالات میں خود میں اپنے آپکو نہ سنبھال سکی۔ پتا جی کا تو اسی وقت ہارٹ فیل ہو گیا تھا جس وقت انہوں نے کملا اور راجو کا چھوڑا ہوا لیٹر پڑھا تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ ہم دونوں یہاں سے دور جا رہے ہیں تاکہ شادی کر کے اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزار سکیں اور جاتے جاتے میں آپ کی بیٹی کملا کو طلاق دے رہا ہوں اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اکیلی زندگی گزارنا چاہتی ہے یا پھر اس کی مرضی ہو تو کسی اور سے بیاہ رچا لے وغیرہ وغیرہ ایسے بیہودہ خط کو پڑھتے پڑھتے ہی پتا جی پرلوک سدھار گئے مرنا تو مجھے چاہئے تھا مگر موت میرے پاس سے آنکھیں چرا کر نکل گئی مگر جاتے جاتے پتا جی کو نہیں چھوڑا تھا پتا جی کو اپنے ساتھ لے گئی تھی میں نے تو فلیٹ کی کھڑکی سے کود کر مرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر مجھ بدنصیب کو تو موت نے بھی دھتکار دیا مگر مجھے ٹانگوں سے معذور کر دیا تب میرا پورا ایک سال بستر پر گزرا۔ جب ماں میری دیکھ ریکھ کرتے تھک جاتی تو کبھی خود کو الزام دیتی کہ ایسی بیٹیوں کو کیوں جنم دیا کبھی کملا کو گالیاں دیتی کہ نہ وہ ہوتی اور نہ ہی ایسے کرموں جلے کرتوت کرتی۔ سبھی ماتا جی

راجو کو کوسنے لگتیں کہ راجو ماتاجی کی بھولی بھالی بیٹی کو گمراہ کرکے
بہلا پھسلا کر ورغلا کر نجانے کہاں لے گیا ہے۔ نجانے وہ کس حال میں ہے؟
ماتاجی جب کبھی اپنی زندگی سے زیادہ ہی تنگ آجاتیں تو مجھے پھٹکارنے
لگ جاتیں کہ اپنے باپو کے بدلے تو کیوں نہ مرگئی تونے تو مجھے جیتے
جی ماردیا ہے اب مجھے بتاؤ کہ اس عمر میں اپنے دکھ تبیڑوں یا کہ
پھر تیری ارتھی کو لئے لئے پھروں؟ تجھے موت آجاتی تو یہ سب نہ ہوتا۔
میں ہر روز گھنٹوں یہ کتھا سنتی اور کڑھتی سسکتی وقت گزارتی
رہی تھی میرے بس میں تو کچھ تھا بھی نہیں کیونکہ میں تو کھانے
پینے کو بھی محتاج تھی میری ماتاجی مجھے نہلاتی کپڑے بدلاتی میرے
کپڑے دھوتی کھانا بناتی اور اپنے ہاتھوں سے مجھے کھلاتی کبھی کبھار
میرا دل رکھنے کو دل بہلانے والی کچھ اچھی بات بھی کرلیتی تھی۔
یوں ہی جوں توں کرکے وقت کے ساتھ میری حالت سنبھلتی گئی تو پھر
میں وہیل چیئر پر گھر سے باہر جانے لگی کبھی سبزی دال خرید لاتی اور
ماتا کے ساتھ کھانا بنانے میں مدد کردیتی مگر جب ماں کا ہاتھ ذرا
تنگ ہوتا تو وہ کہتیں کہ اب تیرا باپو تو ہے نہیں جو کما کر لائے اب
اس کی پنشن میں تو یہ بھی بہت ہے کہ ہمارا وقت کٹ تو رہا ہے
میں نے اپنے حالات سے سمجھوتہ کرلیا اور پھر کوشش کرکے اپنے
لئے نوکری ڈھونڈلی۔ ایک آفس میں سٹینو گرافر کی جاب کرلی تو میرے
گھر میں اچھا پکنے لگا ماتاجی کو ذرا بے فکری ہوگئی ماں کو خوش دیکھ
دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوتی کہ اب ماں بھی ذرا سکون اور بے فکری
سے آرام سکھ کا سانس لے رہی ہے۔ ہم دونوں ماں بیٹی اپنے حالات
سے سمجھوتہ کرکے زندگی کی گاڑی دھکیلتے سسکتے کراہتے گزارنے
کی عادی ہوتی جارہی تھیں جیسے تیسے گیارہ سال اپنی نامراد
زندگی کے گھسیٹ گھسیٹ کر آگے کرلئے تھے۔ ماں کی صحت بھی ٹھیک نہ تھی اب
تو گھر میں ہم دو ماں بیٹی ہی تھیں اور اب جب کسی حد تک پرانی باتوں
کو بھولنے کے عادی ہونے کی ناکام کوششوں سے ہمارے زخموں پر موٹے
موٹے کھرنڈ آچکے تھے تو ایک بار پھر تقدیر کے ظالم پنجوں نے ہمارے
زخموں کو کرید کر خون کے چشمے جاری کردیئے ہمارے زخموں پر پھر
سے نمک پاشی کرتے اور پھر سے ظالم وار کرکے خون کے آنسو رونے
کے لئے مجھ پر دکھوں کے پہاڑ گرادیئے اور اس بار اس بڑے طوفان

میں گھر کر میں اپنی ماتا کو بھی کھو بیٹھی اور اتنی بڑی دنیا میں بالکل
ہی تنہا ہو کر رہ گئی ہوں بالکل ہی بے یار و مددگار ہو گئی ہوں
میری اچھی دیدی اب تو بس تم ہی میری بہنا ہو۔ میری اپنی ہو۔
ویسے بہنا کا لفظ تو یوں ہی استعمال ہو گیا۔ لیکن دیدی اب
تو تم ہی میری سب کچھ ہو، میری بہن نے تو ڈائن کا روپ دھار
لیا ہے۔ اب پھر گیارہ سال بعد کملا اپنے شوہر اور بچوں کو لے کر ماں
کے پاس آ گئی تو ماں کی ممتا اسے ٹھکرا نہ سکی ویسے یہ بھی حقیقت
ہے کہ ان سالوں میں ایک دن بھی ماتا جی اسے بھلا نہیں سکی تھی اب
گیارہ سالوں کے بعد جب ماں نے اس کے بچوں کو دیکھا تو بے اختیار ہو کر
انہیں سینے سے لگا لیا، یہ ہی نہیں بلکہ انہیں گھر میں رہنے کی اجازت بھی
دے دی ہے۔ میں جب آفس سے واپس لوٹی تو گھر میں خلافِ معمول
چہل پہل دیکھ کر میں تو سمجھی کہ کوئی مہمان آئے ہوئے ہیں
مگر جب معلوم ہوا کہ راجو اور کملا اپنے بچوں کو لے کر یہاں رہنے
آ گئے ہیں اور ماتا جی نے بھی کھلے دل سے ان لوگوں کو خوش آمدید
کہا ہے اور ان سب کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت بھی دیدی ہے
اپنا سارا گھربار ان کو سونپ دیا ہے تو میرے لئے اس گھر میں
سانس لینا بھی دوبھر ہو گیا اور میں اپنے رستے ناسور جیسے
وجود کو دھکیلتی ہوئی اس گھر کو ہی نہیں، اس علاقے کو
بھی چھوڑ کر آ گئی ہوں۔ دھول مٹی ڈال دی ان کمبختوں پر۔ اور اب
دیدی میں نے بڑی بوڑھیوں سے سن رکھا تھا کہ شوہر جب تک دوست
ہوتا ہے تو اس سے اچھا دوست اور کوئی نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ
دشمن ہو جائے تو اس سرہانے کے سانپ سے خطرناک اور کوئی
نقصان دہ دشمن نہیں ہو سکتا۔ ایسا زہریلا ناگ جو ڈس لے تو جان چلی جائے
دیدی! اب مجھے اس بات کے سچے ہونے کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے
اب میں اچھی طرح جان گئی ہوں کیونکہ اس سرہانے کے سانپ نے مجھے
بری طرح ڈس کر اپنا سارا زہر میرے وجود میں بھر دیا ہے اور
مجھے مکمل طور پر مفلوج کر کے چھوڑ گیا تھا تب میں نے مرنا چاہا
تو موت نے مجھے ٹھکرا دیا اور اب پھر سے وہ زہریلا ناگ میری باقی زندگی
کو برباد کرنے کے لئے واپس آ گیا ہے اسی لئے تو میں اپنے سارے ہی
رشتوں ناطوں سے سارے بندھن توڑ کر یہاں چلی آئی ہوں اب تو

میری برداشت ختم ہو چکی ہے میں حوصلہ ہار بیٹھی ہوں میری ہمت
جواب دے گئی ہے اس لئے میں ان لوگوں سے اور ان کی ماتا جی
سے بھی کوئی رشتہ نہیں رکھ سکتی۔ بس بہت ہو چکا اور میں
بھر پائی ایسے رشتوں ناطوں سے۔ جو تم سے جینے کا حق بھی چھین لیں۔
اب تو دیدی! میرا اس بھرے جہاں میں کوئی اور نہیں ہے اس لئے
میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتی ہوں کہ کبھی کبھار وقت
نکال کر مجھ سے ملنے چلی آیا کرنا۔ جس سے میرے دل کو ڈھارس
بندھے کہ اس جہان میں میرا بھی کوئی دیکھنے پوچھنے والا ہے
اور کسی کو تو میری فکر ہے، کوئی تو ہے جسے میں اپنا دکھڑا سنا سکتی ہوں۔
دیدی! تم یہ پن کرو گی تو میں تمہیں کچھ نہ دے سکوں گی مگر
بھگوان تم پر دیا کرے گا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے
ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ کملا کی روتے روتے ہچکی بندھ
چکی تھی وہ بیچاری اس بری طرح سے رو رہی تھی جیسے جل تھل
ایک کر کے رکھ دے گی اور پھر میرے آگے ہاتھ باندھ کر منت کی کہ مجھ سے ملتی رہنا
اور اس کی یہ دردناک داستان سنتے ہوئے میں بھی کانپ کانپ
اٹھی۔ کہ آج کے دور میں کون کس کو اپنا کہہ سکتا ہے؟ اور
کن رشتوں ناطوں پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے
خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے سبھی دھوکہ اور
فریب میں ماہر ہیں خون سفید ہو چکا ہے سارے جھوٹے
ناطے ہیں اب میرا سب پر سے اعتماد ختم ہو چکا ہے
کیا اپنے کیا پرائے سارے ہی مطلبی اور ہوس کے پجاری ہیں
کسی کو دولت کی ہوس ہے کسی کو جاہ و حشمت کی ہوس ہے۔
کسی کو حسن و شباب کی ہوس ہے تو کسی کو ہیوے کے شراب کی لگن اور لت
پڑی ہے دنیا کے عیش و عشرت اور نفس پروری خود نمائی خود ستائی
میں مبتلا لوگوں کے لئے انسانیت شرافت دیانت امانت سب کے معنی
بدل چکے ہیں۔ شریف اور مخلص انسان کا تو جینا محال ہے
اگر کوئی بڑا عہدے دار ہے تو خواہ مخواہ ہی ہر کوئی اس کے ساتھ
رشتہ اور تعلق بنائے گا اور اگر ایک شریف گھرانہ دولت مند
نہیں ہے تو اپنے عزیز رشتے دار بھی نظریں چرا کر اور دامن

بچا کر گزرتے ہیں۔ اور اگر کسی بھلے مانس کے حالات ناساز گار ہو جائیں تو کوئی پوچھنے دیکھنے بھی نہیں آتا اور اپنے بیگانے بھی منہ پھیر لیں گے کوئی اپنائیت نہیں جتائے گا۔
سوائے اللہ وحدہٗ لاشریک کے! ایک اللہ تعالیٰ مہربان ہی تو ہے جو اپنی تمام کی تمام مخلوق کے دکھ بانٹتا ہے سب کی فریاد سنتا ہے سب کی داد رسی کرتا ہے سب مخلوق کا حاجت روا، وہ حق تعالیٰ پروردگارِ عالم جو سب کی بگڑی بناتا ہے بیشک وہ باری تعالیٰ ہی سب کا سچا ہمدرد اور اچھا کارساز ہے اللہ ربّ العالمین پر ہی توکّل کرنا اچھا ہے
میں پملا کو دلاسے دیتی پھر آنے کا وعدہ کر کے بوجھل قدموں سے لوٹ آئی میں سوچ رہی تھی کتنے پکے ہیں اس دنیا کے رشتے؟ اور کتنے جھوٹے ہیں دنیا کے بندھن؟

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

I

مجاہد فورس

آج میں انگنت شامیانوں کی بستی دیکھنے نکلی تھی مگر یہ رنگ برنگی جھنڈیاں لگے وہ شامیانے ہرگز نہیں تھے جو خوشیوں کے موقعے پر رنگین قمقموں سے سجائے جاتے ہیں اور قہقہوں سے بسائے جاتے یہ پھٹے پرانے شامیانے تو ان بے خانماں افراد کے لئے لگائے گئے تھے جو لوگ کبھی اپنی جنت ارضی میں اپنے آراستہ پیراستہ اور آرام دہ گھروں میں چین اور سکون کی زندگی گذارا کرتے تھے کہ اچانک اندھیرا چھا گیا اور درندوں کی بن آئی اور بہت سارے جنگلی کتے ارض بیروت پر ٹوٹ پڑے اور پھر نہ صرف عوام کا آرام و سکون لوٹ لیا گیا بلکہ ان کے گھروں پر بھی قبضہ جما لیا گیا یہ کتے نجانے کب سے خون مسلم کے پیاسے تھے کہ چھوٹتے ہی نہتے شہریوں کی شہ رگ پر دانت گاڑ دیئے اور کتنے ہی بھرپور جوانوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا اور لاشوں کے انبار لگ گئے خدا جانے کتنی نو بیاہتا دلہنوں کو بیوگی کی چادر اوڑھنے پر مجبور کر دیا گیا۔ بے شمار ماؤں کے جگر گوشے ٹکڑے ٹکڑے کر کے خاک و خون میں ڈبو دیئے گئے کتنے ہی معصوموں کی پیشانیاں داغ یتیمی سے داغ دی گئیں اور پھر یہ بھیڑیئے پھونک پھونک کر پیچھا کرتے رہے اور اس طرح سے بچے کھچے شہریوں کو بھی بیروت چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور اب یہ جلا وطن جائیں تو کہاں جائیں؟ اب ان بے کسوں کے سر پر چھت نہیں پاؤں تلے کی زمین سرک گئی ہے یہ مجبور اور بے بس مجبوراً کڑکتی دھوپ میں جلتے پتھروں پر یہ پھٹے پرانے شامیانے لگا کر سایہ کر کے دھوپ کی شدت میں جھلسنے سے بچنے کے جتن کر رہے ہیں ورنہ یہ کوئی انسانوں کے رہنے کی جگہ تو نہیں ہے۔ دن میں سورج آگ برساتا ہے تو رات بھر سردی سے سکڑتے سمٹتے ہیں۔ یہاں بجلی ہے نہ پانی ہے، سایہ ہے نہ کچھ سبزہ، غذا ہے نہ دوا دارو کا ذریعہ ہے۔ بس لے دے کر آسمان کی چھت کے نیچے یہ ذرا ذرا سے تنبو تان کر صرف اپنے دلوں کو بہلاوا دیا گیا ہے کہ جیسے سر چھپانے کی جگہ بن گئی ہو حالانکہ خواتین کی پردہ دری ہوتی ہے اور وہ بے چادریاں حیا سے کسی سے آنکھ نہیں ملا پاتیں وہ بے قصور ہو کر بھی گنہگار ہیں۔ بوڑھے لاغر والدین اپنے منہ کا نوالہ توڑ کر بھی اپنے

ننھے منے معصوم ناتوانوں کو پیٹ کا ایندھن فراہم کرنے کے لئے کوشاں
ہیں۔ جب کہ بھوک سے بلکتے شیر خوار دودھ نہ ملنے سے ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے ہیں
یوں میں ہر ہر قدم پر بے بسی اور بے چارگی کی زندہ تصاویر دیکھتے اور
ان پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف بھڑکتے جذبات کو پرسکون رکھنے
کی کوشش کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی کہ
کچھ فاصلے پر چھوٹے چھوٹے بچوں کا جمگھٹ نظر آیا تو میں ان کی
طرف چل پڑی۔ مگر قریب پہنچتے پر ٹھٹھک کر رک گئی۔ یہ بچے جن کی
عمریں سات سے دس سال رہی ہوں گی وہ بچے قریب قریب
پچاس کی تعداد میں تھے۔ ان چہرے مرجھائے ہوئے پھولوں جیسے لگتے تھے۔ مگر وہ پھول
وہ سب ہی بڑی خاموشی اور سنجیدگی سے تپتی زمین پر ایسے بیٹھے
ہوئے تھے جیسے کہ بڑے ہی آرام دہ کمرے میں کسی غالیچے پر بیٹھے ہوئے
ہوں۔ ان میں سے ایک بچہ جس کی عمر دس سال سے کسی طور زیادہ
معلوم نہیں ہوتی تھی اور مجھے بعد میں پتہ چلا کہ اس بچے کا نام ٹیپو
ہے۔ وہ بچہ بڑے ہی پر جوش اور لیڈرانہ انداز میں تقریر کر رہا تھا
تو ساتھیو! اب ہمارا مقابلہ صرف اسرائیلی جنگلی کتوں سے ہی نہیں بلکہ اس
وقت اسرائیلی بھیڑیوں کے اکسانے پر اور ان کی شہ پر امریکی
شکاری کتوں سے بھی ہے اور ہمیں ان سب کو منہ توڑ جواب دینا ہوگا
میرے بھائیو! آج ہم جن حالات سے دوچار ہیں اس کا تقاضہ ہے
کہ ہم ہوش سے کام لیں کیونکہ یہ وقت جذباتی بن کر غلط اقدامات
کرنے کا نہیں ہے بلکہ ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے اور بلند عزم و حوصلے
سے عیار اور مکار دشمن سے نمٹنا ہوگا۔ اپنا دفاع کرنا ہوگا میرے
دوستو! ہم اس خونی رات کے بھیانک مناظر کبھی نہیں بھول سکتے جب
ہمارے شہریوں کو ٹینکوں تلے روند ڈالا گیا تھا ہماری آنکھیں وہ
خونی مناظر کیونکر بھول پائیں گی جب ہماری ماؤں بہنوں کی
چادرِ عفت و عصمت کو تار تار کر دیا گیا تھا اور ہمارے باپ بھائیوں
کے خاک و خون میں تڑپتے لاشے ہمارے شیر خواروں کی دل دوز کربناک
چیخیں آج بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں یہ مظالم کی سنگدلی کی
دلخراش داستان کبھی بھی بھلائی نہ جا سکے گی۔ ہم سب پر ہمارے سارے
پیاروں پر جو جو مظالم ڈھائے گئے ہیں وہ تو ناقابل فراموش ہیں اور
ناقابل معافی ہیں ناقابل تلافی ہیں۔ آج ہم بے وطن ہو کر اس ویرانے میں

آپڑے ہیں، تو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔ نہیں نہیں میرے
بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ خطرہ اور بڑھ گیا ہے کیونکہ جن درندوں کے
منہ کو انسانی خون لگ گیا ہے وہ سب بھیڑیئے پھر حملہ آور ہوں گے
کیونکہ وہ درندے تو مسلمانوں کو تر نوالہ جان کر ہڑپ کر لینا چاہتے ہیں
مگر ہمیں ان لومڑوں کے دانت کھٹے کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے اور اپنے
حوصلے بلند رکھنے ہیں اس لئے یاد رکھو ہمیں اخوت اور اتحاد کی جتنی
ضرورت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہ رہی تھی کیونکہ ہم اتنے لاچار پہلے کبھی نہ تھے۔
ساتھیو! ہمیں پوری ہوشیاری سے تیاری کرنی ہوگی اس کے ساتھ ساتھ
نہ صرف خود حفاظتی تدابیر کرنا ہیں بلکہ اپنے شہدا کے خون کا بدلہ
بھی چکانا ہے۔ اس لئے ہمیں مل جل کر اور محنت سے کام کرنا ضروری
ہے۔ ہمیں باقاعدہ منصوبہ بندی کرنا ہوگی اور اپنے وقت کا صحیح استعمال بھی۔
مجاہدو! وقت کم ہے اور کام زیادہ اس لئے آج سے ہم باقاعدہ اسی
جگہ اکٹھے ہو کر اپنی مجاہد فورس کی تربیت پر وقت صرف کیا کریں گے
شمع اسلام کے پروانو! آج ہمیں اپنے پیاروں کے مقدس خون،
شہادت کی قسم کھا کر اپنے آپ سے اپنے ساتھیوں سے اور اپنے
شہدا کی مقدس ارواح سے یہ عہد کرنا ہے کہ ہم اپنے سر ہتھیلیوں
پر رکھکر ایک نہ ایک دن فلسطین اور بیروت واپس جائیں گے
انشاء اللہ وہ مبارک دن ضرور آئے گا جب ہم نہ صرف بیروت بلکہ
فلسطین پر بھی پھر سے پرچم اسلام لہرائیں گے ہم پرچم اسلام
بلند کریں گے انشاء اللہ دینِ حق تعالیٰ سر بلند رہے گا۔ اسلام زندہ باد۔
دوستو! خونِ شہیدگان کا بدلہ چکانا ہم پر فرض ہو چکا ہے آپ
سب آج یہ وعدہ کرو کہ جب تک ہم اپنے نیک مقاصد میں کامیاب نہ
ہو جائیں گے ہم چین اور سکون سے نہیں بیٹھیں گے ہم انتقام ضرور
لیں گے۔ اے غازیانِ اسلام جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم مسلمان ہو یاد رکھو
سب بچوں کا جوش و خروش قابلِ دید تھا۔ اور پھر ٹیپو نے نعرہ تکبیر بلند
کیا جس کے جواب میں سب بچوں نے بیک آواز اللہ اکبر سے جواب دیا اور
اس کے بعد مجاہد فورس زندہ باد نفاق مردہ باد اتحاد زندہ باد کے
نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ ان ننھے منے مجاہدین کا جوش و جذبہ
دیکھ کر میں حیرت زدہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی میں سوچ رہی تھی کہ یہ بچے
جنہیں حالات نے قبل از وقت حساس باشعور اور ذمہ دار بنا دیا ہے
اور ان کے عزائم میں چٹانوں جیسی پختگی پیدا کر دی ہے اگر حالات
نارمل ہوتے تو ایسے کم عمر بچے اپنے سکول کی گراؤنڈ میں یا محلے کے کسی

کھلے میدان میں ہاکی یا فٹ بال کھیلتے ہیں یا پھر چاندنی راتوں میں آنکھ
مچولی کھیلا کرتے ہیں یا اگر یا تھات میں درختوں پر چڑھتے تھک جائیں
تو باغوں میں رنگ برنگی تتلیوں کے پیچھے بھاگنا ایسے نونہالوں کے
من پسند کھیل ہوا کرتے ہیں مجاہد فورس کے ننھے مجاہدوں کو میرا سلام عقیدت
ہو اور سلام ہے ان مسلمان خواتین کو جنہوں نے ایسے دلیر اور فرض شناس
بچوں کو جنم دیا جو کہ بموں اور گولیوں کی برسات میں تنہا کرکے
کندن بن جاتے ہیں میں ان ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ میرے
دل سے آواز آئی ، ارے کیا تم بھول گئی ہو ان عظیم خواتین کو
جنہوں نے شیر کا حوصلہ رکھنے والے اور چیتے کا جگر رکھنے والے جری اور
بہادر بیٹے پیدا کئے تھے تم سلام عقیدت پیش کرو ان عظیم ماؤں کو
جنہوں نے محمود غزنوی سلطان ٹیپو شہید اور محمد بن قاسم جیسے شجاع
اور انمول بیٹے عالم اسلام کو دے دیئے تھے ہاں ہاں وہ مائیں قابل
قدر اور قابل فخر محترم مائیں تھیں وہ اپنے وقت کی مسلمان خواتین
تھیں مگر تم یاد رکھو کہ آج کے دور میں بھی تمام عالم اسلام میں اس
دنیا بھر کے ہر خطے میں اسی دین اسلام کی پیرو مسلمان مائیں بستی ہیں
جو یقیناً آج بھی جری دلیر اور جانباز بیٹے پیدا کر سکتی ہیں۔ ایسے ایسے
دلیر بیٹے جو اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کے دشمنوں کی گردنیں کاٹ کر
پھینک دیں اور ایسے کافروں بے دینوں کی تکہ بوٹی کرکے کتوں کو کھلا
دیں - انصاف ضرور ہوگا انشاء اللہ کیونکہ مکافات عمل قانون
قدرت ہے - یہ فرنگی جو اپنی عدالتوں میں انصاف کا ترازو لٹکا کر دنیا
کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بہت بڑے منصف ہیں یہ لوگ
جب سب سے بڑے منصف کی عدالت میں کھڑے ہوں گے تو پھر اپنے بے شمار
جرائم کا حساب دے کر سزا کے مستحق ہوں گے۔ انشاء اللہ جلد ہی کوئی نہ
کوئی مجاہد ضرور اٹھے گا ابھرے گا اور بہت جلد اپنی سرزمین پر قابض
لٹیروں ڈاکوؤں کو نکال باہر کرے گا - آزادی کی ہوا پھر سے چلے گی
اب کفر اور ظلم کے دن پورے ہو چکے ہیں کافر ہمارے حوصلے پست
نہیں کر سکتے - ہاں ہم ضرور کفر کا سر نیچا کر دیں گے اور میرے دل
سے آواز ابھری آمین یا رب العالمین آمین ریڈیو پر ترانہ لگا ہوا
تھا جس کے بول تھے

تم مسلمان ہو دین کا آئینہ
حق کی پہچان ہو تم مسلمان ہو

I

روح کی حاضری

میرے ماموں کرنل جلیل دو دن کی چھٹی پر ہمارے گھر آئے ہوئے تھے اور شام کی چائے کے بعد محفل جمی ہوئی تھی۔ موضوع گفتگو تھا کشف القبور اور پھر ہوتے ہوتے بات چل پڑی روحوں کو بلانے اور ان سے گفتگو کرنے کی۔ تب ماموں نے بتایا کہ ہمارے ایک دوست کرنل فہیم صاحب اکثر ارواح کو بلایا کرتے ہیں اور وہ ارواح کرنل صاحب کے سوالات کے جواب بھی دیا کرتی ہیں بیشک قرآن پاک شاہد ہے کہ جنات اور ارواح کا وجود ہے مگر ہم نادان کم عقل بچہ پارٹی اس قسم کی باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے لہذا اصرار کرنے لگے کہ ماموں اگر آپ کو طریقہ معلوم ہے تو روحیں بلا کر ہمیں دکھائیں تاکہ ہم لوگ بھی ان ارواح سے سوالات پوچھ سکیں اس طرح تھوڑا شغل بھی ہو جائے گا۔ دل لگی رہے گی تفریح کا موڈ ہے مگر ماموں کا کہنا تھا کہ میں نے خود سے تو کبھی ارواح کو بلانے کا عمل نہیں کیا مگر ان کرنل صاحب کو بلاتے دیکھا ضرور ہے، ہم سب مصر تھے کہ جب آپ کو طریقہ معلوم ہے تو پھر یہ حیل وحجت کیسی؟ ہمت کریں ڈریں نہیں خیر ہم سب کے بہت اصرار پر آخر کار ماموں کو رضا مند ہونا ہی پڑا۔ ہم سب کی نظریں ماموں کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہم ماموں کی ہر حرکت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ماموں کافی دیر تک بڑے سنجیدہ بلکہ عاجز اور مسکین صورت بنانے کی کوشش کرتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے رہے، مگر شائد عالم ارواح میں ماموں کی بارعب شخصیت کی دھونس جم چکی تھی اس لئے کسی بھی روح نے ان کی خدمت میں حاضری دینے کی جرأت نہ کی۔ اور بات نہ ہو سکی اور جب سب کوششیں ناکام ہو گئیں تو ماموں نے ہتھیار ڈال دیئے تو ہم سب بچوں کو بہت مایوسی ہوئی کیونکہ ہمارا پلان فیل ہو گیا تھا۔

میں آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی جب 1965ء کی انڈو پاک جنگ شروع ہوئی۔ پوری کلاس فرسٹ ایڈ کی ٹریننگ لے رہی تھی۔ اور ایک روز ماموں بہت جلدی میں ہمارے گھر آئے ان کا کہنا تھا کہ مجھے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے نجانے زندگی وفا کرے یا نہ لوٹ کر آسکوں کیا خیر مجھے جام شہادت پلا کر جام طہور پینے کے لئے راہ عدم کو روانہ کر دیا جائے لیکن اگر لوٹ کر آگیا تو پھر انشاء اللہ آپ سب سے

ملاقات کرنے ضرور آؤں گا ہم سب نے دھڑکتے دل سے ماموں کو
خدا حافظ کہا امی جان نے ڈھیر ساری دعائیں دیکر ماتھا چوما اور
اللہ محافظ اللہ نگہبان کہکر وداع کیا تو ماموں اباجان کی
بیٹھک میں اباجان سے رخصت لینے چلے گئے اباجان نے فی امان اللہ
کہتے ہوئے اجازت دے دی۔ اور ماموں رخصت ہو گئے۔
ہم سب کی مصروفیات میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ سکول میں فسٹ ایڈ
کی ٹریننگ مل رہی تھی گھر میں امی جان نے بہت سی ملنے ملانے والیوں
کی بچیوں کو سلائی کی مشینوں کے ساتھ بٹھایا ہوا تھا جو کہ امی جان
کے بتانے پر کپڑے تیار کر رہی تھیں۔ امی جان سلائی کٹائی جانتی
تھیں اس لئے وہ ہر روز ملشیا کے نئے تھان خرید کر منگوائیں
اور ان سے مردانہ شلوار قمیص کاٹ کر ان لڑکیوں کو سینے کا
طریقہ بتا کر ملیشیا کے مردانہ جوڑے بنوائیں اور پھر تیار
شدہ جوڑے ملیشیا فورس کو پارسل کروا دیتیں یوں وقت تو
پر لگا کر اڑتا جا رہا تھا۔ باجی پنجاب یونیورسٹی لاہور میں تھیں۔
جب بڑی باجی نے ایم۔اے جنرل ازم کر کے ملازمت کی خواہش ظاہر کی
تو گھر میں ماحول بگڑنے لگا۔ اول تو اباجان کو یہ بات بالکل پسند
نہ تھی کہ آپا غیر مردوں کے ہمراہ دفتر میں کام کریں اس پر
طرح یہ کہ آپا مختلف لوگوں کے انٹرویو بھی لینے جایا کریں گی
اباجان کے لئے اس کی اجازت دینا ناممکن تھا مگر جیسے تیسے ان
ہی حالات میں آپا نے ملازمت شروع کر دی۔ جن دنوں آپا
نے مقامی روزنامے میں لیڈی ایڈیٹر کی حیثیت سے سروس شروع کی
تو ان دنوں مسٹر بھٹو وزیر خارجہ کی حیثیت سے ملک سے باہر گئے
ہوئے تھے اتفاق سے ان کی بیگم سے انٹرویو کا پروگرام بن گیا چونکہ
وہ پاکستان سے باہر نہیں گئی تھیں بیگم نصرت بھٹو سے انٹرویو لے کر
دفتر لوٹیں تو آپا نے ایک محترمہ کو اپنے آفس میں منتظر پایا
اس لڑکی نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ آپ سے پہلے اس
روزنامے میں خواتین کا یہ صفحہ میں ترتیب دیا کرتی تھی۔ مگر
اب چونکہ روحیں مجھے تنگ کرتی ہیں اس لئے مجبوراً مجھے ملازمت چھوڑنی
پڑ گئی تھی۔ اب جب آپ کا مرتب شدہ صفحہ خواتین پسند آیا تو آپ

کو مبارک باد دیتے چلی آئی ہوں۔ ارواح کے تذکرہ پر آپا چونکی
اور استفسار پر اس لڑکی نے تھوڑی حیل و حجت کے بعد آپا کو بھی
روحیں بلانے کا طریقہ بتا تو دیا مگر ساتھ ہی ساتھ یہ تنبیہ
بھی کی کہ آپ اس جھنجھٹ جھمیلے میں نہ ہی پڑیں کیونکہ اسی
میں آپ کی بھلائی ہے۔ رائعہ کا کہنا تھا چونکہ روحیں مجھ پر مسلط
ہو چکی ہیں اس لئے وہ روحیں نہیں چاہتیں کہ میری شادی ہو جائے
اسی لئے جہاں پر منگنی کی بجائے میرا نکاح کیا گیا تھا وہاں سے مجھے
طلاق مل گئی ہے اور اب کہیں بات نہیں بن رہی بڑی رکاوٹیں
پڑ رہی ہیں اس نے بتایا کہ ہمارے گھر میں اکثر برتن چلتے ہیں اور یہ کہ
میری والدہ میری شادی کے لئے بڑی پریشان ہیں کیونکہ جہاں بھی
بات چلتی ہے وہاں بات بنتے بنتے معاملہ بگڑ کر سب ختم ہو جاتا ہے
وغیرہ وغیرہ۔ وہ لڑکی ذہنی طور پر غیر متوازن لگتی تھی پھر بھی
اس کے اصرار پر آپا نے اپنے گھر کا ایڈریس اسے دے ہی دیا اس
تاکید کے ساتھ کہ اگر ملنا ہو تو گھر پر ملاقات کو آجایا کرنا ورنہ
دفتر میں وقت نکالنا مشکل ہو گا اتفاق سے وہ لڑکی رائعہ
ہمارے گھر سے کوئی ایک فرلانگ آگے ہی رہتی تھی اور اس
ملاقات کے بعد وہ اپنی والدہ کے ہمراہ اکثر ہمارے گھر آیا کرتی تھی
رائعہ سے پہلی ملاقات کے بعد دفتر سے گھر آکر شام کی چائے پر
آپا بڑے مزے سے بتا رہی تھی کہ آج ایک مخبوط الحواس لڑکی مجھ
سے ملنے دفتر آئی تھی اور وہ بتا رہی تھی کہ وہ روحوں کو بلایا کرتی
تھی اور اب اکثر اسے حرارت رہتی ہے اور وہ جنات اور ارواح بھی
اس پر مسلط ہو چکی ہیں اور اس کی شادی میں رکاوٹ ڈالتی
ہیں اکثر اوقات ڈھولکے اور گھنگھروؤں کی اور باتوں کی آواز
بھی آتی ہے۔ سب گھر والے دہشت زدہ رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ
مگر جب آپا نے بتایا کہ انہوں نے اس لڑکی سے ارواح کو بلانے کا
طریقہ پوچھ لیا ہے اور اب ہم بھی مختلف ارواح کو بلائیں
گے اور سوالات کریں گے پھر دیکھیں گے کہ وہ ارواح کتنی سچی
خبریں دیتی ہیں اور کیا کہتی ہیں ہم سب بچے آپا کے ساتھ اس
کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے جبکہ امی جان کو اعتراض تھا وہ
فرما رہی تھیں کہ وہ لڑکی تو عالم ارواح میں دخل اندازی کی سزا

بھٹک رہی ہے مگر اب میں تم لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دے
سکتی۔ مگر آپا کا اصرار تھا کہ ہم لوگ باوضو ہو کر کلام پاک کی
آیات مقدس پڑھ کر وہ عمل کریں گے۔ اور رہا اس لڑکی کا معاملہ،
تو مجھے لگتا ہے کہ وہ تو سائیکو کیس ہے۔ ورنہ وہ کوئی حسینہ عالم
نہیں ہے کہ جنات اور ارواح اس پر فریفتہ ہو جائیں پھر بھی آخر دم تک
امی جان نے بہت روکا بہت سمجھایا کہ ایسا کچھ مت کرو کہیں خدانخواستہ
کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو خوامخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے
آجکل تمہارے ابا جان بھی گھر پر نہیں ہیں کیونکہ کسی نے اپنی مل
اور کسی نے فیکٹری کا سنگ بنیاد رکھوانا تھا کسی نے کنواں کھودنا
اس لئے وہ لوگ ابا جان محترم کے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھوا
کر دعا بھی کروانا چاہتے تھے تاکہ خیر و برکت حاصل ہو جائے اس لئے
وہ لوگ آکر ابا جان محترم کو اپنے شہر لے گئے تھے اسی واسطے امی
جان محترمہ کی پریشانی بجا تھی امی جان محترمہ کا کہنا تھا کہ اگر
معاملہ الٹ گیا تو کون سنبھالے گا؟ اور کیا ہوگا؟ ہم کیا کریں گے؟
امی جان محترمہ نے بہت روک ٹوک اور نصیحت فصیحت کی۔ ان کا
کہنا تھا کہ بغیر کسی عامل کامل کے یا مرشد و راہبر کے اور بغیر
اجازت کے ایسا کچھ نہیں کرنا چاہئے اور مرشد بھی وہ جو کہ کامل
ولی اللہ ہو اور اس کی اجازت کے ساتھ ساتھ پشت پناہی
بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ اگر کچھ گڑبڑ ہو جائے تو وہ سنبھال لیں۔
مگر ہم سب اپنی کم عمری اور ناسمجھی کے باعث اس تجربے پر مُصر
تھے اپنی امی جان محترمہ کی ایک نہ سنی کیونکہ ہم سب اپنی شوخئی
طبع سے مجبور تھے اس لئے امی جان محترمہ کی نافرمانی کرتے ہوئے
تیاری شروع کر دی۔ ہم سب ایک کمرے میں جمع ہو کر عمل کرنے کیلئے تیار
سب سے پہلے باوضو ہو کر الف سے لے کر ے تک حروف کی پرچیاں
تیار کر کے میز پر گول دائرے کی شکل میں سجا دی گئیں۔
اس کے بعد ایک ہلکا پھلکا شیشے کا گلاس ان پرچیوں کے
درمیان خالی دائرے کی جگہ پر الٹا کر کے رکھ دیا گیا اور پھر تین
بہنوں نے اپنی اپنی انگشت شہادت گلاس کے پیندے پر رکھ لے

سے رکھ کر قرآنی آیات اس ہی تعداد اور اسی ترتیب سے پڑھیں
جسطرح رابعہ نے بتایا تھا قرآنی آیات بتائے گئے طریقے سے
پڑھکر چند جملے بتائے گئے طریقے پر ادا کرنے کے ساتھ ہی میز
پر رکھے ہوئے لائٹ ویٹ گلاس نے حرکت کرنا شروع کر دیا جس
کا مطلب تھا کہ گلاس میں کوئی روح آچکی ہے
جس لڑکی نے روحیں بلانے کا طریقہ بتایا تھا اس نے یہ تاکید بھی
کی تھی کہ تمام حاضرین ارواح کی آمد پر ان کا پورا پورا احترام
کرتے ہوئے بات چیت اور نشست و برخاست کا خیال رکھیں اور
مذاق نہ بنائیں ہنسی نہ اڑائیں یعنی کوئی ناشائستہ حرکت مت
کریں ورنہ ارواح ناراض ہو کر نقصان پہنچا سکتی ہیں۔
مگر جب گلاس نے چلنا شروع کر دیا۔ تو میں جو انتہائی شریر
ہوا کرتی تھی چپ نہ بیٹھ سکی اور بول اٹھی کہ یہ جو افراد گلاس
پر انگلی رکھے ہوئے ہیں یہ لوگ خود ہی گلاس کو دھکیل رہے ہیں
اور گلاس کے اندر کوئی بھی روح نہیں آئی ہوئی۔
مگر جو تینوں بہنیں اس عمل میں شریک تھیں انہوں نے مجھے
گھورنے کے ساتھ ہی اشارے سے بتایا کہ واقعی یہ گلاس خودبخود
چل رہا ہے۔ پھر چند سوالات کئے گئے اور ان کے جوابات لکھ لئے
گئے تاکہ رزلٹ آنے پر تصدیق ہو سکے
اب تو ہم سب کو ایک مشغلہ ہاتھ آچکا تھا ہر شام کو محفل جمتی اور
پھر کبھی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ
علیہ ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ اور کبھی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ
یا عطیہ فیضی جن کے انتقال کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے ان
مختلف ارواح کو بلا کر ہم کچھ نہ کچھ بات چیت کیا کرتے تھے
کیونکہ یہ ایک عجیب بات تھی کہ گلاس خود بخود چلتا اور مختلف
حروف ابجد کی پرچیوں کو چھو کر گزرتا اور ہم ان حروف کو ملا
کر الفاظ اور جملے بنا لیتے جس سے کہ ہم کو بات سمجھ آجاتی
اور پھر ہم کوئی نیا سوال پوچھتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ پورا ایک ہفتہ
گزر جانے پر بھی ہماری دلچسپی کم نہ ہوئی تھی۔ تفریح کا سامان ہاتھ آچکا تھا

امی جان محترمہ ناراض ہوا کرتیں کہ تم لوگ گھر آتے ہی سب کام چھوڑ
چھاڑ کر اس شغل بیکاری میں جٹ جاتی ہو ۔ بیٹی کی ذات کو تو
گھرداری سیکھنا چاہیئے تاکہ آگے چل کر جب اپنے گھروں والی ہوں تو
اپنے گھر کا انتظام درست رکھنے کا شعور پیدا ہو چکا ہو وغیرہ وغیرہ
مگر ہم نادانوں پر کچھ اثر نہ ہوتا ہم تو امی جان کا لیکچر ایک
کان سے سنکر دوسرے کان سے نکال دیتے تھے
ایک روز آپا کی چند سہیلیاں اور انکی مائیں بھی یہ ڈرامہ دیکھنے آئی
ہوئی تھیں حسب پروگرام ہم سب لوگ ایک کمرے میں جمع تھے
اور پھر تینوں بہنوں نے کلام مجید کی تلاوت کے بعد مخصوص
عمل کر کے حضرت محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو
آنے کی دعوت اور درخواست کی ۔ تاکہ ہم کچھ سوال کر سکیں
جب روح نے آکر گلاس کو ہلایا تو مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا
جب مؤذن نے تکبیر بلند کی تو ساتھ ہی گلاس نے دیوانہ وار
دوڑ جھپٹ کر جلدی جلدی پرچیوں کو چھونا شروع کر دیا تو ہم
نے اسی تیزی سے حروف کے الفاظ اور جملے بنائے تو پھر ہم سب کو
انتہائی شرمساری سے معذرت کرنا پڑی کیونکہ حضرت محمود
غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح نے فرمایا تھا کہ نماز کے اوقات
میں ہمیں تکلیف کیوں دی گئی ہے اس پر ہم نے ندامت ظاہر کی اور
کمرے میں موجود تمام حاضرین معذرت خواہ ہوئے اور روح
کے واپس لوٹتے ہی سب نے اٹھ کر نماز مغرب ادا کر لی ۔ اور نماز
سے فارغ ہو کر پھر سے اپنی اپنی جگہ پر براجمان ہو گئے اور اس
بار حضرت سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے حاضر
ہونے کی درخواست کی گئی اور جب گلاس نے چلنا شروع کیا تو
آپا نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا کہ گلاس کو کس کی روح چلا رہی
ہے؟ تو جواب میں ایک کافر لیڈر کا نام بتایا گیا ۔
کیونکہ وہ قوم اور ان کے لیڈر پکے دشمنان اسلام ہیں اور ان کی
گردنوں پر لاتعداد مسلمانوں کا خون ناحق ہے اس لئے دوسرے نمبر
والی بہن نے بھڑک کر غصے اور نفرت سے مغلوب ہو کر کہا کہ تجھ کافر

ملعون کو ہم نے کب بلایا ہے جو تم آ ٹپکے ہو؟ دفع ہو جاؤ۔ مردود
پھر کبھی پلٹ کر ادھر مت آنا۔
چھوٹی بہن کا اتنا کہنا تھا کہ قیامت برپا ہو گئی۔ گلاس اچھل کر چھت کی
طرف اٹھا اور چھت کو چھو کر پھر سے میز پر آ گیا اب گلاس بہت تیز رفتار
سے پرچیوں پر جھپٹ رہا تھا مگر اب حروف کے الفاظ اور الفاظ کے
جملے بنانے کی کسے پڑی تھی کیونکہ جن بہنوں نے گلاس پر انگلیاں رکھی
ہوئی تھیں وہ جھٹکے سے دور جا گری تھیں۔ ان کے چہرے ہلدی کی طرح
زرد تھے ان کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں زبان بند
ہو چکی تھی اور وہ ہلنے جلنے کے قابل نہ رہی تھیں اور سب
حاضرین حیرت زدہ ساکت و جامد تھے۔ اور پھر نجانے کیسے بلا
ارادہ میں چیخ اٹھی اچانک بے ساختہ میری خوابیدہ سی آواز
ابھری معا۔۔فی۔۔معا۔۔۔فی۔۔معا۔۔فی۔۔اور
اس کے ساتھ ہی جیسے امی جان محترمہ کا ذہن بھی بیدار ہو گیا
اور انہوں نے فرمایا کہ آپ جو بھی کوئی روح ہیں برائے مہربانی
آپ اپنی دنیا میں لوٹ جائیے آئندہ آپ کو زحمت نہیں دی
جائے گی۔ یہ تو ناسمجھ نادان بچیاں ہیں جو بھی غلط بات ان
سے کہی گئی ہے آپ اسے نظر انداز کر دیں۔ اب تک جو دوسری
خواتین دہشت زدہ تھیں ان سب نے اپنی خوف زدہ سہمی ہوئی
آواز میں امی جان کی تائید میں اسی قسم کی گفتگو کرنا شروع
کر دی تب جیسے تیسے وہ بد روح بمشکل دفع ہو گئی ساری پرچیاں
سمیٹ کر گلاس میں ڈال دیں اور ایک طرف رکھ دیں
اس کے بعد بہنوں کو آرام سے لٹا دیا گیا امی کے کہنے سے ملازمہ
ایک جگ دودھ گرم کر لائی باجیوں کو بمشکل ایک ایک گلاس
دودھ پلایا گیا۔ سردیوں کا موسم تھا مگر بہنیں ٹھنڈی برف ہوتے
کے ساتھ پسینے میں شرابور ہو رہی تھیں کمرے میں موجود سب
خواتین ان کی دیکھ بھال میں جتی ہوئی تھیں کوئی ان کے ہاتھ
سہلا رہی تھی تو کوئی پاؤں دبا رہی تھی کوئی سر ماتھے پر
ہاتھ رکھے دم کر کے پھونک رہی تھی غالباً دو گھنٹے کے بعد
بہنوں کے اوسان بحال ہوئے اور وہ بات چیت کے قابل ہوئیں

نوسی نے پوچھا کہ کیا ہو گیا تھا جو یوں نیم جان ہو گئیں تھیں؟
ان کا کہنا تھا کہ بجلی کے جھٹکے لگے تھے اور ان کے زرد چہرے بتا رہے
تھے کہ سارا خون ہی نچوڑ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی کافی عرصے
تک دونوں بہنوں کو اکثر حرارت رہتی خاص طور پر اس بہن
کو جس نے اس بدروح کو برا بھلا کہکر گالی بھی دے دی تھی۔
اس کی حالت زیادہ قابل رحم تھی اس نے ایم۔اے میں داخلہ
لینا تھا مگر ایسی حالت میں تعلیم کا سلسلہ ختم کرنا پڑا۔
بڑی باجی کی طبیعت بھی کبھی کبھی رہتی تھی۔ مستقل چند ماہ ملازمت
کی پھر جب دل اچاٹ ہو گیا تو ملازمت ترک کر دی۔
اس کے بعد کیا ہوا یہ ایک الگ کہانی ہے جو آئندہ کبھی قلم
بند کروں گی
جاتے جاتے یہ بتانا ضروری سمجھتی ہوں کہ یہ کوئی خیالی
کہانی نہیں ہے بلکہ یہ ایک سو فیصد سچا واقعہ ہے